رسائل و مسائل

رفع شبہات

[حال میں ہندوستان کے ایک مشہور عالم اور صاحبِ دل بزرگ کا ایک گرامی نامہ آیا تھا جس میں میرے خیالات اور طریقِ کار کے متعلق چند شبہات کا اظہار کیا گیا تھا۔ جواب میں جو کچھ میں نے لکھا اس میں چونکہ اکثر وہ شبہات زیر بحث آگئے ہیں جو آجکل بعض حلقوں کی طرف سے پھیلائے جا رہے ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی ترمیم کے ساتھ اسے یہاں نقل کر دیا جائے۔ اصل مکتوب جسکے جواب میں یہ نیاز نامہ لکھا گیا ہے شائع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ صاحبِ مکتوب نے اسکی اجازت نہیں دی، مگر میرے جواب سے شبہات کی نوعیت بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے]

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے جن شبہات کا اظہار فرمایا ہے انہیں دیکھ کر مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپکی نظر سے میری وہ تحریریں نہیں گذری ہیں جو ماضی قریب میں نکلتی رہی ہیں، اسی وجہ سے بہت سے وہ شبہات آپکے قلبِ مبارک میں پیدا ہو گئے ہیں جو دوسروں کی زبان سے میرے خیالات کی ترجمانی سُن کر اکثر بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں۔ آپ جیسے عدیم الفرصت حضرات سے میرا یہ مطالبہ غالباً بیجا ہوگا کہ آپ میری ان تحریروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں۔ مگر یہ گوارا کرنا بھی میرے لیے مشکل ہے کہ لوگوں کی غلط ترجمانی کی بدولت وہ چند صالح و برگزیدہ اصحاب بھی مجھ سے بدگمان ہو جائیں جنکی دعاؤں

کے ساتھ جنگی عملی تائید و اعانت کا بھی میں محتاج ہوں۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصراً اپنے خیالات کی ترجمانی میں خود ہی کردوں اور پھر آپ سے دریافت کروں کہ اب کس شبہ کی گنجائش رہتی ہے۔

۱۔ میرے نزدیک یہ ایسا وقت دنیا پر آیا ہے جبکہ ایک دور ختم ہوتا ہے اور دوسرے دور کی بنیاد پڑتی ہے۔ مغربی تہذیب اور اسکی اساس پر کام کرنے والوں کو جتنا موقع مشیت الٰہی کے تحت مل سکتا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورا ہو چکا ہے یا پورا ہونے کے قریب آ لگا ہے۔ اب یہ سارا نظام درہم برہم ہونا شروع ہو گیا ہے اور ایک دوسرا نظام بننے سے پہلے جو اضطرابی کیفیات لازماً طاری ہوا کرتی ہیں اُن کا آغاز ہو چکا ہے۔ اگرچہ اقامتِ دینِ حق کی کوشش ہر زمانہ میں اہلِ ایمان پر فرض ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ ایسے وقت میں جبکہ دنیا حاضر الوقت نظامات سے تلخ تجربات کی بنا پر مایوس ہوتی جا رہی ہے اور کسی دوسرے نظام کے قائم ہونے کے لیے زمین ہموار ہو رہی ہے، دینِ حق کے قیام کی کوشش کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ جو مواقع اسوقت پیدا ہو گئے ہیں، اگر اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہم نے نہ کی تو ہم سے سخت بازپرس ہوگی۔

۲۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مشرق سے مغرب تک مسلمان بالعموم محض وقتی اور مقامی مسائل اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں اور دنیا کے وسیع میدان میں ادیانِ باطلہ کے تصادم سے دینِ حق کے قیام کا جو موقع نکل آیا ہے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ ہر جگہ اُن کے چھوٹے اور بڑے گروہ یا تو اپنے اپنے ملکی اور قومی معاملات سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں، یا اگر کچھ مذہبی فکر ہے بھی تو وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کسی دینِ باطل کے ظلِّ عاطفت میں انکو کچھ مذہبی حقوق حاصل ہو جائیں۔ دنیا میں اِس بات پر کشمکش برپا ہے کہ ملک کس کا ہے، اور دین کس کا چلے۔ ہر طرف سے مختلف مدعی دعوے لے لے کر اٹھ رہے ہیں کہ ملک ہمارا ہے اور دین ہمارا چلنا چاہیے۔ مگر روئے زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کوئی یہ دعویٰ لیکر اٹھنے والا

نظر نہیں آتا کہ ملک سوائے خدا کے اور کسی کا نہیں ہے، اور صرف خدا ہی کے دین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ زمین پر اسکا سکّہ رواں ہو۔ دنیا میں ہر دعوے کے لیے مارنے والے بھی موجود ہیں اور مرنے والے بھی۔ ہر مقصد کے لیے چوٹیں کھانے اور نقصان اٹھانے والے پائے جاتے ہیں۔ مگر خدا کی زمین پر کوئی نہیں جو خدا کی حاکمیت کے دعوے پر مارنے یا مرنے والا ہو اور خدا کے دین کو چلانے کے لیے چوٹ کھانے اور نقصان اٹھانے پر آمادہ ہو۔

۳۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اقامتِ دینِ حق کی کوشش کرنے کے لیے اگر کوئی گروہ اٹھ سکتا ہے تو انہی لوگوں میں سے اٹھ سکتا ہے جو آپکے بقول "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم کی تصحیح کا ذریعہ بنانے اور مرضیٔ الٰہی کا نمائندہ قرار دینے" والے ہیں۔ لیکن اِس کارِ عظیم کے لیے محض اِس چیز کا اعتقاد یا صرف اپنے ذاتی عمل کی حد تک ہی اسکی پیروی کافی نہیں ہے۔ یہ کام ایسی ایک جماعت چاہتا ہے جو اس معاملہ میں اتنی پُرزور ہو، اتنی شدید ہو کہ دوسروں کو بھی اِسی عقیدے اور عمل کی طرف کھینچ کر لا سکے اور اس داعیہ کے ساتھ اٹھ سکے کہ وہ دنیا کے برہم ہونے والے نظام کو کسی دوسری اساس پر قائم نہ ہونے دیگی بلکہ اپنے یقین و ایمان اور اپنے عمل و جہاد کی طاقت سے اُسے دینِ حق کی اساس پر قائم ہونے کے لیے مجبور کر دے گی۔

۴۔ ایسی جماعت کی فراہمی دو ہی صورتوں سے ممکن ہے۔ یا وہ اُن مسلمانوں میں سے آئیگی جو پہلے سے مذکورہ بالا امور کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یا اُن لوگوں میں سے آئیگی جو اب اس اعتقاد کو قبول کریں۔ لیکن عملاً دوسرے گروہ میں سے بھرتی ہونا اُس وقت تک مشکل ہے جب تک کہ پہلے گروہ میں سے ایک معتدبہ جماعت ایسی پیدا نہ ہو جائے جو مجرد اِس عقیدے یا اس کے مطابق ذاتی عمل پر اکتفا کرنے والی نہ ہو بلکہ اسی عقیدہ کو پھیلانے اور اسی پر دنیا کا نظام قائم کرنے کے لیے مجاہدہ پر آمادہ ہو جائے۔ اسی لیے میں نے غیر مسلموں سے پہلے مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔

۵ - عام مسلمانوں کے متعلق میرا بھی وہی خیال ہے جو آپکا ہے - میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ "وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی مرضی کا نمائندہ اُسی طریقہ سے مانتے ہیں جیسے ایک مومن کو ماننا چاہیئے"۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ گمان کیا کہ "انکے قلوب میں نبوت محمدی کا انکار پیدا ہو چکا ہے" لیکن جب میں اقامتِ دین کے مقصد کو سامنے رکھ کر ان مسلمانوں پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس مرتبے کے ایمان و یقین اور جس مرتبے کے عمل پر یہ اکتفا کیے ہوئے ہیں وہ اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہے - علاوہ بریں انہی مسلمانوں میں آخر وہ لوگ بھی تو ملے جُلے موجود ہیں جو مبادیٔ دین تک سے ناواقف ہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود بدترین اعتقادی و عملی گمراہیوں میں صرف مبتلا ہی نہیں ہیں بلکہ اُن پہ اس قدر جمے ہوئے ہیں کہ انہیں راہ راست پر لانا کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانے سے کچھ کم مشکل نہیں ہے - اِن میں وہ بھی تو ہیں جو اعتقاداً مسلمان ہونے کے باوجود ہوائے نفس کو اپنا الٰہ بنائے ہوئے ہیں اور اُس معیارِ ردّ و قبول، ترک و اختیار، پسندیدگی و ناپسندیدگی کو اپنانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں جو محمد رسول اللہ نے پیش کیا ہے - محمد رسول اللہ کے نزدیک جو کچھ قابلِ قدر ہے وہ اُنکے نزدیک ناقابلِ قدر ہے اور جسے حضور منکر اور مردود قرار دیتے ہیں وہی انکی نگاہ میں معروف اور مقبول بلکہ عین مطلوب ہے - اِن میں وہ بھی تو ہیں جو اسلام کے عقیدتمند بھی بنتے ہیں اور پھر شریعتِ اسلام کے نفاذ کو نہ صرف غیر ممکن سمجھتے ہیں بلکہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ چوری پر قطع ید اور زنا پر ضرب تازیانہ و رجم اور سود کی تحریم اور اسی قسم کے قوانین موجودہ زمانہ کے لیے موزوں نہیں ہیں - ان میں وہ بھی تو ہیں جو مجملاً اسلام کو حق مانتے اور کہتے ہیں مگر الٰہیات، اخلاق، تمدن، سیاست، معیشت ہر چیز کی تفصیلات میں عقیدہ اور مسلک دونوں کے اعتبار سے غیر اسلامی نظریات ہی کے پیرو ہیں - ان میں وہ بھی تو ہیں جو خدا اور رسالت اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے بلکہ شک اور تذبذب میں مبتلا ہیں - وہ بھی ہیں جو خدا اور رسول اور فرشتوں، اور جنت و دوزخ، سب کے منکر ہیں اور صرف منکر ہی نہیں ہیں

بلکہ ان عقائد کا اور روزہ و نماز کا استہزاء کرنے سے بھی باز نہیں آتے - وہ بھی ہیں جو تمام ضروریاتِ دین کا اقرار کرتے ہیں اور ارکان کے پابند بھی ہیں مگر دنیا کی طمع سے اس درجہ مغلوب ہیں کہ متاعِ قلیل کے معاوضے میں دین کے خلاف جو خدمت بھی ان سے لی جائے اور جس غداری و ایمان فروشی کا بھی ان سے مطالبہ کیا جائے، طوعاً یا کرہاً اسے بجا لانے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں - وہ بھی ہیں جو دین کے منکر تو نہیں ہیں مگر مقر بھی نہیں ہیں انہیں اس سے کچھ بحث ہی نہیں ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا - ان کی غایت مقصود بس یہ ہے کہ اپنے نفس و بدن کے مطالبات پورے کریں اور اس فکر میں وہ ایسے منہمک ہیں کہ ہر دوسری چیز سے غافل ہو چکے ہیں - ان تمام اقسام کے لوگ عام مسلمانوں میں شامل ہیں اور کچھ اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ اس مجموعہ کے اندر یہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ کون کس قسم کا "مسلمان" ہے -

۶- اب یہ ظاہر ہے کہ اگر اقامتِ دین کے لیے کوئی کوشش کرنی ہے تو اس پورے مجموعہ کو وہ "بنی بنائی اسلامی جماعت" قرار نہیں دیا جا سکتا جسے لیکر مجاہدہ شروع کر دیا جائے - قومی اغراض کی خدمت کرنے والی جماعتوں کے لیے تو یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک پروگرام سامنے رکھیں اور تمام مسلمانوں کو پکار دیں کہ آؤ چار چار آنے یا دو دو آنے فیس دیکر رکنیت کے فارم بھر دو اور "ملت" کی فوج میں بھرتی ہو جاؤ - وہ ہر قسم کے رطب و یابس جمع کر سکتی ہیں اور ان کا کام اس طرح چل بھی سکتا ہے - لیکن ہم جس مقصد کے لیے ایک جماعت کی تنظیم کرنا چاہتے ہیں اسکے لیے یہ اجتماعِ شتر و گربہ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا بلکہ یقیناً سخت نقصان دہ ہوگا - لامحالہ ہمیں مسلمانوں کے اس مخلوط انبوہ میں سے صرف صالح لوگوں کو الگ چھانٹ کر منظم کرنا پڑیگا، اور صالحین کو چھانٹنے کی کوئی صورت بجز اسکے نہیں ہے کہ اسلام کے خالص عقیدے، اور حکومتِ الٰہیہ کے نصب العین اور شریعت کے اخلاقی و قانونی ضوابط کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ان میں سے جو لوگ اس عقیدے کا اقرار اور ان ضوابط کی پابندی کو قبول کریں اور اس نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کے لیے تیار ہوں صرف

انہی کو جماعت میں لیا جائے ۔ میں ایک مدت دراز تک شب و روز اس بات پر غور کرتا رہا ہوں کہ مختلف النوع "مسلمانوں" کا یہ مخلوطہ جو بد قسمتی سے بن گیا ہے اس میں سے حقیقی مسلمانوں کو کس طرح چھانٹا جائے ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سوچ سوچ کر تھک جانے کے باوجود مجھے اس تدبیر کے سوا کوئی دوسری تدبیر نظر نہیں آئی ۔ اگر آپ یا کوئی دوسرے بزرگ کوئی اور طریقہ بتا سکیں تو ضرور بتائیں ۔

۷- میرا اصل مدعا اقامت دین کی جدوجہد کے لیے صالح آدمی چھانٹنا ہے نہ کہ مسلمانوں کے کفر و ایمان کی بحث چھیڑنا ۔ مسلمانوں کی موجودہ ایمانی و اخلاقی حالت پر جو تنقیدیں میں نے کی ہیں ان سے بھی میرا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ دعوت الی اللہ کے مقصد عظیم کا اعتبار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اس وقت کیا کیا کوتاہیاں پائی جاتی ہیں اور یہ کہ اس کار خطیر کے لیے مسلمانوں کے اس مجموعہ میں سے کس قسم کے لوگ مناسب اور مطلوب ہیں ۔ جماعت اسلامی کے دستور میں شہادتین کو شرط رکنیت قرار دینے کی غرض بھی صرف یہ ہے کہ جو لوگ اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں ان کے متعلق یہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ صالح العقیدہ ہیں اور جاہلیت کی ان آمیزشوں کو لیے ہوئے نہیں آ رہے ہیں جو بد قسمتی سے مسلمانوں کے اندر گھس آئی ہیں، نیز یہ کہ دعوت الی اللہ کی خدمت شروع کرنے سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر اللہ کے ساتھ اپنے عہد و میثاق کو استوار کر لیں اور نو مسلمانہ جوش کے ساتھ کام کے لیے آگے بڑھیں۔ — میرے اس مقصد کو لوگوں نے نہیں سمجھا اور بعض ہوشیار لوگوں نے قصداً

ا؎ بعض لوگ شرکت جماعت کے لئے تجدید ایمان کی شرط پر بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ علماء و مشائخ اور معروف و مشہور اہل ایمان کے لیے اس شرط پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے ۔ مگر وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر بعض مسلمانوں سے تجدید ایمان کرائی جائے اور بعض سے نہ کرائی جائے تو جن سے کرائی جائیگی وہ یہ نہ کہیںگے کہ کیا ہم کافر تھے جو اب ہم سے شہادت ادا کرائی جاتی ہے ؟ علاوہ بریں اقامت دین کے لیے جدوجہد کے میدان میں قدم رکھتے وقت پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ شہادت توحید و رسالت

(بقیہ صفحہ ۱۸۹ پر ملاحظہ ہو)

بھی اسکے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں ۔ اس وجہ سے جن بزرگوں کو میری تحریرات کے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں ملا ہے، اور جن تک میری بات دوسروں کی تحریفات کے واسطہ سے پہنچی ہے انہیں یہ غلط فہمی ہوگئی کہ میں "مسلمانوں کو ایمان و یقین سے خالی" قرار دے رہا ہوں، اور انکو "دین کے دائرے سے باہر دھکیل کر پھر انکو اندر بلانے کی دعوت" دیتا ہوں، اور یہ کہ "جس توپخانہ کا دہانہ کفر کی طرف کھولا گیا تھا اسے اہل ایمان پر کھولنا" چاہتا ہوں ۔ اللہ شاہد ہے کہ میں ان سب باتوں سے بری ہوں ۔

۸ ۔ میرے نزدیک اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو جماعت یہ مقصد لیکر اٹھے وہ لوگوں کو صرف اللہ کے راستہ کی طرف بلائے، اس دعوت کے ساتھ اپنے دنیوی مقاصد اور سیاسی و معاشی حقوق اور ذاتی یا قومی مفادات کی بحث کو خلط ملط نہ کر دے ۔ اگر ہم دعوت الی اللہ کے ساتھ یہ آوازیں بھی بلند کرینگے تو ہماری دعوت کا قطعاً کوئی اثر نہ ہوگا ۔ خصوصاً اگر ہم نے محض قومی عصبیت کی بنا پر مسلمانوں کے اُن کاموں کی حمایت کی جو اسلام کی راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں تو یقیناً ہماری یہ حرکت دنیا کو اسلام سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دیگی ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۵) ادا کرنے میں جو ایک انقلاب انگیز کیفیت ہے اسکی اہمیت کو یہ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ میرا ذاتی تجربہ ہے اور جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع میں جو لوگ شریک ہوئے تھے ان سب پر یہ گذری ہوئی بات ہے کہ اس طرح کلمۂ شہادت ادا کرتے ہوئے آدمی اس احساس سے لرز اٹھتا ہے کہ وہ کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہا ہے ۔ اس وقت وہ اس قولِ ثقیل کا پورا بوجھ محسوس کرتا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگی میں اسی اقرار کے ساتھ ایک انقلاب شروع ہو گیا ہے ۔ مگر افسوس کہ فقیہانہ و متکلمانہ موشگافیوں کی عادت نے لوگوں کو ان لطیف کیفیات کے ادراک سے محروم کر دیا ہے ۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم ان لوگوں کو یہی سوچنا چاہیے کہ جب نماز میں روزانہ بیس دفعہ اور اذان میں روزانہ پانچ دفعہ یہ شہادتین ادا کرتے ہیں تو اپنی دینی زندگی کا ایک نیا دور شروع کرتے ہوئے یہی اقرار کر لینے میں آخر کیا قباحت ہے ۔ کیا اللہ کی توحید اور اسکے نبی کی رسالت پر چند مسلمانوں کے سامنے گواہی دینا کوئی ایسا برا فعل ہے کہ اس سے انکی توہین ہو جاتی ہے ؟

اسلیے میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر تم کو وہ کام کرنا ہے جس کے لیے تم ایک امت بنائے گئے ہو (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیہ) تو تمام ذاتی اور قومی مفادات سے بے پروا ہو کر لوگوں کو صرف اللہ کے راستہ کی طرف بلاؤ۔ اور اگر تم اپنے مفادات سے قطع نظر نہیں کر سکتے اور انہی کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہو تو پھر اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دو کہ ان کاموں کے ساتھ تم دعوت الی اللہ کا کام بھی کر سکو گے۔ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں نبھ سکتیں۔ ایک کو اختیار کرنے کے لیے دوسری کو چھوڑنا ہی پڑیگا۔ میرے اس مشورہ پر یہ خطرہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس طرح تو جو کچھ مسلمانوں کے پاس رہا سہا ہے وہ بھی جاتا رہیگا۔ مگر میں پورے اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ خدا کی طرف بلانے والے گروہ کو اس سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کرنا چاہیے کہ اسکے پاس کیا رہیگا اور کیا اسکے ہاتھ سے چلا جائیگا۔ یہ دعوت صرف وہی لوگ دے سکتے ہیں جو فکر مآل سے بالاتر ہو کر کام کریں اور ایک خدا کو پانے کے لیے سب کچھ کھو دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمان اس طرح سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر خالصۃً لوجہ اللہ کام کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو خواہ ابتداءً سب کچھ ان کے ہاتھ سے نکل جائے، مگر آخر کار وہ سب کچھ ان کے قدموں میں آ رہیگا جسکو یہ کھوئینگے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ کچھ انہیں حاصل ہوگا جسکے حصول کا خواب بھی یہ آج نہیں دیکھ سکتے۔ جو گروہ صرف اللہ کے لیے کام کرے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں سے نظر ہٹا کر اپنی نگاہ بلندترین نصب العین پر جمادے بھلا اُس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی طاقت ٹھیر سکتی ہے؟ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے حوصلے اس اولوالعزمی کے لیے تنگ ہیں۔ ان کو اور سب تدبیروں میں تو امید کی شعاعیں جھلکتی نظر آتی ہیں، مگر اس کام میں وہ موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں دیکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ راہ اختیار کی اور بس ساری تباہیاں اور بربادیاں ان پر یک بارگی حملہ کر دینگی اور وہ دنیا میں کہیں کے نہ رہینگے۔ رہی آخرت تو اسکی فکر ہی کسے ہے۔

یہ وہ جرم ہے جسکی بنا پر مجھے الزام دیا جا رہا ہے کہ تو مسلمانوں کے مفاد کا دشمن ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ رہا سہا ہے وہ بھی چلا جائے۔

۹- اصولاً دعوت الی اللہ کے کام کی آج بھی وہی نوعیت ہے جو پہلے تھی۔ یعنی غیر اللہ کی ربوبیت وحاکمیت تسلیم کرنے سے علی الاعلان انکار اور صرف رب العالمین کی ربوبیت وحاکمیت تسلیم کرنے کی طرف دعوتِ عام۔ یہی ہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سنیاگرہی نہیں ہیں۔ جیل جانا ہمارا پروگرام نہیں ہے ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہم پکڑے ہی جائیں، پیٹے ہی جائیں، ریت پر گھسیٹے ہی جائیں۔ اگر کوئی اس دعوت میں ہماری مزاحمت نہ کرے اور حاکمیت غیر اللہ کے ابطال کو برداشت کرے یا سیدھی طرح ہماری اس دعوت کو قبول کرنے تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اس چیز کو ٹھنڈے پیٹوں کبھی گوارا نہیں کیا گیا ہے اور نہ آج گوارا کیا جائیگا۔ جب مسلمان ہی یہ آواز سن کر بگڑ کھڑے ہوتے ہیں تو دوسروں سے ہم کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اسے برداشت کر لینگے۔ اسلیے ہمیں یقین ہے کہ اس دعوت کے بلند کرنے پر آج بھی وہی کچھ پیش آکر رہیگا جو کل مکّہ میں پیش آیا تھا۔ اسی مشابہت کی بنا پر ہم اپنے موجودہ حال کو زمانۂ قبل ہجرت سے تشبیہ دیتے ہیں مگر آپکا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ "جب تم اسے مکّی زندگی کہتے ہو تو پھر تمام حیثیات سے وہی پروگرام دکھو جو مکّہ میں تھا اور مدنیت کو اپنے پروگرام سے خارج کر دو"۔ یہ رائے اسلیے غیر صحیح ہے کہ مکہ میں تو سب کفار ہی کفار تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ابتدا سے دعوت کا آغاز فرمایا تھا اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے تھے ان پر رفتہ رفتہ تکالیف شرعیہ عائد کی جاتی تھیں۔ لیکن یہاں سارے کے سارے کفار ہی نہیں ہیں بلکہ مسلمان بھی موجود ہیں، اسلام تبدریج نازل نہیں ہو رہا ہے بلکہ پورا کا پورا آچکا ہے اور مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہے، اب یہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص یا گروہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اٹھے وہ خود پورے اسلام پر عمل کرنے کے بجائے

صرف اسی قدر تکالیف شرعیہ کا التزام کرے جتنی مکۂ معظمہ میں اسلام قبول کرنے والوں پر عائد کی گئی تھیں - لہذا ہمیں "مکیت" کے ساتھ "مدنیت" کو بھی لے کر چلنا ہوگا - غیر مسلموں کو تو ہم پہلے اسی چیز کی طرف دعوت دینگے جس کی طرف انہیں مکہ میں بلایا گیا تھا - مگر جو مسلمان ہمارے ساتھ اس دعوت کے کام میں شریک ہونگے، اور جو غیر مسلم اسلام قبول کر کے ہمارے ساتھ ملینگے انکو تو اس پورے اسلام ہی کا التزام کرنا ہوگا جو قرآن اور سنت میں ملتا ہے - اگر دعوت دینے والے خود ہی اسلامی احکام کے ملتزم نہ ہوں تو دوسروں پر انکی دعوت کا کیا خاک اثر پڑیگا -

۱۰- اسلام کے لیے میں نے بار بار "تحریک" کا لفظ جو استعمال کیا ہے اس کی شکایت مولانا عبد الماجد صاحب نے بھی کی ہے کہ تو دین اور مذہب کی جگہ اسلام کو صرف ایک تحریک بنائے دے رہا ہے جیسی سوشلزم اور فاشزم وغیرہ تحریکیں ہیں جنکے پیش نظر محض ایک دنیوی مقصد ہوتا ہے اور اسکے لیے وہ منظم حرکت کرتی ہیں - اور مولانا سید سلیمان نے تو میرے اس گناہ کی تاریخ بھی بیان فرمادی ہے - انکی تحقیق یہ ہے کہ متکلمین ہر زمانے میں اسلام کو اسی چیز کے سانچے میں ڈھالتے رہے ہیں جسکا زور انہوں نے اپنے زمانہ میں دیکھا ہے - کبھی "نیچر" کا زور تھا تو اسلام کو نیچر بنایا گیا، پھر "سولیزیشن" کا زور ہوا تو اسلام کو ایک سولیزیشن ثابت کیا گیا، اب فاشزم، سوشلزم وغیرہ تحریکوں کا زور ہے تو اس زمانہ کے متکلم (اشارہ اِس نیاز مند کی طرف ہے) اس دین کو تحریک قرار دے رہے ہیں - حقیقت میں مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے جب میں ایسے ایسے عالی مقام لوگوں کو اتنی ہلکی باتیں اس قدر غیر محققانہ طریقہ سے لکھتے اور شائع کرتے ہوئے دیکھتا ہوں - تجدید اور تجدد کا اصولی فرق یہ ہے کہ تجدید ہر زمانہ میں انہی حقائق اور انہی صداقتوں کو جو ازل سے چلی آرہی ہیں اپنے زمانہ کی زبان میں اپنے زمانہ کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کر کے پیش کرتی ہے - اور تجدد اپنے زمانہ کے فتنوں سے متاثر ہو کر ان حقیقتوں اور صداقتوں ہی میں ترمیم کرنے پر آمادہ

ہو جاتا ہے۔ اگر ان حضرات کے نزدیک میں تجدد کا مجرم ہوں تو براہ کرم مجھے تعین کے ساتھ بتائیں کہ کہاں میں نے دین کے جوہر میں تغیر کیا ہے۔ کسی جگہ یک سر مو تغیر بھی وہ بتا دیں اور میں اس سے توبہ نہ کروں تو یقیناً مجھ سے بڑا خاطی و ظالم کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اگر انکی ساری ناراضی صرف اس بات پر ہے کہ میں نے پرانی حقیقتوں کے لیے نئے الفاظ اور نئے طرز بیان اختیار کیے ہیں اور انکو موجودہ زمانہ کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کر کے پیش کیا ہے تو مجھے بتایا جائے کہ تجدید دین کی کوشش کرنے والوں نے کس زمانہ میں یہ جرم نہیں کیا ہے؟ اور کیا خود یہ حضرات معترضین اس کا ارتکاب نہیں کرتے رہے ہیں؟

"تحریک" کا لفظ جس مفہوم کے لیے میں استعمال کرتا ہوں اسکے لیے کوئی دوسرا ایسا لفظ مجھے نہیں ملتا جو آج کل کے عام لوگوں کے ذہن میں اس کی تصویر کھینچ دے۔ "مذہب" ایک مدت سے صرف اس معنی کے لیے مخصوص ہو گیا ہے کہ چند عقائد اور چند عبادتوں اور رسموں کا مجموعہ جنکی پابندی سے آدمی روحانی ترقی یا نجات بعد الموت کا متوقع ہو۔ اسی معنی کے لحاظ سے آج کل کے لوگ کہتے ہیں کہ مذہب ایک انفرادی چیز ہے، عابد اور معبود کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق ہے، اسکو اجتماعی معاملات اور ملکی انتظام سے کیا تعلق؟ اسلام کے لیے لفظ مذہب کا استعمال موجودہ دور کے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ یہ بھی اسی جنس مذاہب کا ایک فرد ہوگا۔ رہا "دین"، تو اسے بھی ایک مدت سے مذہب اور دھرم کا ہم معنی بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر دین کو اسکے وسیع معنی میں بھی استعمال کیا جائے تب بھی سننے والے کے ذہن میں اس سے صرف اتنی بات ہی آتی ہے کہ یہ پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام ہے جو عقائد و افکار سے لیکر انفرادی و اجتماعی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک کا احاطہ کرتا ہے اور جسکا تعلق دنیا اور اسکے انتظام سے بھی اتنا ہی ہے جتنا حیات بعد الموت سے ہے۔ لیکن یہ بات کہ دین ایک نظام ہونے کی حیثیت سے دنیا کا انتظام خود اپنے زیر اقتدار لینے کا متقاضی ہے، اور اسکے ایک نظام ہونے کا فطری اقتضا یہی ہے کہ دوسرے نظاموں کو

بنا کر یہ خود انکی جگہ قائم ہو، اور اس وجہ سے دین کی پیروی قبول کرتے ہی آدمی پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ دوسرے نظاموں کے تسلط کو مٹانے اور اس نظام کو قائم کرنے کے لیے کوشش کرے، محض لفظ "دین" سن کر آج کل کسی کے ذہن میں بھی نہیں آتی۔ اس مفہوم کو موجودہ دور میں لفظ "تحریک" اچھی طرح ادا کرتا ہے اس وجہ سے میں اسلام کے لیے "دین" کے ساتھ "تحریک" کا لفظ بھی اکثر استعمال کرتا ہوں نیز اس کوشش اور جدوجہد کے لیے بھی مجھے "تحریک" ہی کی اصطلاح استعمال کرنی پڑتی ہے، کیونکہ جہاد اور مجاہدہ کے الفاظ جو قرآن نے اس مفہوم کے لیے اختیار کیے تھے، انحطاط کے دور میں ان کے معانی بالکل بدل کر رہ گئے ہیں۔ مجاہدہ کا لفظ سن کر آج کے لوگوں کا ذہن صوفیانہ ریاضات اور چلہ کشی کی طرف چلا جاتا ہے اور "جہاد" بولیے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ بس اب ایک لشکر مرتب ہوگا اور غنیم کے خلاف معرکۂ قتال شروع ہو جائیگا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ "تحریک" کے نام سے جو چیز میں نے پیش کی ہے آیا وہ دین اور جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے یا کوئی اور چیز۔ اگر کوئی اور چیز ہے تو بلاشبہ میں مجرم ہوں، لیکن اگر وہ دین اور جہاد ہی ہے تو محض اتنی بات پر بگڑ جانا کہ میں نے اسکے لیے نیا لفظ کیوں استعمال کیا، کم از کم صاحب معارف اور صاحب صدق جیسے حضرات کے مرتبے سے تو بہت فروتر ہے۔

یہاں تک تو میں نے اپنے خیالات کی ترجمانی اور آپکے شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے اب گرامی نامہ کے اس حصہ پر بھی کچھ عرض کرونگا جو آپنے تذلیل کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ میں اپنے ان الفاظ پر باادب معافی چاہتا ہوں جو میں نے پچھلے عریضہ میں لکھے تھے۔ اللہ علیم ہے کہ میری نیت ہرگز تحقیر کی نہ تھی۔ میں اس قسم کی باتیں صرف تحریض کی نیت سے لکھا کرتا ہوں جو جذبہ مجھے کبھی کبھی حد ادب سے آگے بڑھا لے جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ جیسے صاحب بصیرت اور صاحب دل حضرات کو میری آنکھیں مقدمۃ الجیش میں بلکہ اس سے بھی آگے دیکھنا چاہتی ہیں۔ یہ کام جیسے مجھ جیسے ایک

کم مایہ آدمی نے سنبھالا ہے، آپ جیسے لوگوں کے کرنے کا تھا اور میرا کام یہ تھا کہ میں آپ لوگوں کی
رکاب تھام کر چلتا۔ خدا کی قسم میرے دل میں نہ کبھی اس بات پر فخر پیدا ہوا کہ میں نے اس کام کو سنبھالا
ہے، اور نہ کبھی یہ غلط فہمی ہوئی کہ میں اسکی سربراہی کا اہل ہوں۔ مجھے تو ہمیشہ اس بات کا افسوس ہوتا ہے
کہ یہ جنکے کرنے کا کام تھا وہ اپنے مرتبے سے فروتر کاموں میں مشغول ہیں اور مجھے اپنی فرومایگی کے
باوجود اس کارِ خطیر کی ذمہ داری اٹھانی پڑی ہے۔ یہی چیز جب مجھے اندر سے کاٹتی ہے تو میں بزرگوں
کی شان میں اس قسم کی باتیں کہہ گزرتا ہوں جنکی آپنے شکایت فرمائی ہے۔ لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں
اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا ہوں اور بزرگوں کے منہ آتا ہوں، حالانکہ دراصل میں اپنے آپ کو چھوٹا ہی
سمجھتا ہوں اور جب بڑوں کی خالی چھوڑی ہوئی جگہ پر مجبوراً مجھے کھڑا ہونا پڑتا ہے تو میرے دل کو
تکلیف ہوتی ہے اور کبھی کبھی جلے دل سے تلخ باتیں کہہ جاتا ہوں کہ ایک چھوٹے کا طعنہ سن کر
ہی وہ کسی طرح اپنے اصل مقام پر آکر کھڑے تو ہوں۔

آپ کا یہ شبہ کہ میں ابتلا و امتحان کے میدان میں دعوے کے ساتھ اتر رہا ہوں، میری قلبی
حالت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں لرزتے اور کانپتے ہوئے اس میدان میں قدم رکھ
رہا ہوں۔ اپنی قوت پر نظر ڈالتا ہوں تو وہ اتنی کم نظر آتی ہے کہ مجھے ہر وقت گر جانیکا خطرہ ہوتا ہے
مگر جب یہ یاد آتا ہے کہ اس مختصر سے عرصۂ حیات میں کتنے گناہ کر چکا ہوں، کتنا زمانہ نافرمانیوں میں
گزارا ہے، اللہ کی دی ہوئی کتنی قوتیں محض اپنے نفس کی خوشی پوری کرنے میں صرف کر ڈالی ہیں، اور اب
بھی تقویٰ اور عبودیت کا کتنا حقیر سرمایہ میرے پاس ہے تو مجھے اپنی نجات کی کوئی صورت اسکے سوا نظر
نہیں آتی کہ کوئی چوٹ خدا کی راہ میں کھاؤں اور اسی چوٹ کا داغ لیے ہوئے مالک کے دربار میں حاضر ہوں
تاکہ شائد اسی کو دیکھ کر کچھ نظرِ عنایت ادھر مائل ہو جائے۔ میری حالت اس مریل گھوڑے کی سی ہے
جس میں بل بوتہ کچھ نہیں ہے، مگر پیچھے سخت کوڑا پیٹھ پر پڑنے کا خطرہ جو اسے لگا ہوا ہے وہ اس کو

ایک پُر خطر راستہ پر بھاگ کر چلنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔ آپ کو میرے جرأت آمیز الفاظ سے یہ گمان گذرا ہوگا کہ میں اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھ رہا ہوں اور کسی بڑے مرتبے کی توقع رکھتا ہوں۔ حالانکہ میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے کر رہا ہوں اور اپنی حقیقت خوب جانتا ہوں۔ بڑے مراتب تو در کنار اگر صرف سزا سے بچ جاؤں تو یہ بھی میری امید و ں سے بہت زیادہ ہے۔ البتہ میں اپنی اس قلبی کیفیت کا کوئی اثر اپنی تحریروں میں نہیں آنے دیتا اور قصداً جرأت آمیز زبان استعمال کرتا ہوں کیونکہ اس کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کے لیے ڈھیلی اور کمزور زبان موزوں نہیں ہو سکتی۔

یہ خط ختم کر چکا تھا کہ "صدق" کا تازہ پرچہ ملا اور کچھ باتیں مزید عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے خود اقدام فرمانے کے بجائے جن شاہ صاحب کو آگے کیا ہے ان کے متعلق پہلے ایک عریضہ میں بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ حیدر آباد میں انہوں نے خود مجھ سے اپنا یہ کشف بیان کیا تھا کہ "مجھے حسین احمد سور کی شکل میں دکھایا گیا"۔ حال میں جب مجھے ندوہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے متعدد اساتذہ سے معلوم ہوا کہ یہ صاحب وہاں بھی کچھ مدت رہ آئے ہیں اور مولانا حسین احمد صاحب کی شان میں "شیطان" اور "خنزیر" جیسے سخت الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ ایک صاحب ندوہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے مرید ہیں۔ اُن سے ان صوفی صاحب نے بے تکلف فرمایا کہ میرا مرتبہ تمہارے پیر سے بلند تر ہے۔ اور تو اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق انہوں نے ندوہ ہی کے بعض اساتذہ سے کہا کہ وہ ایک معمولی درجہ کے آدمی تھے۔ میں اسی قسم کی باتیں ان شاہ صاحب کی زبان سے سن کر پہلے ہی یہ سمجھ چکا تھا کہ صوفی ہونا تو در کنار ان کے دل میں حیا اور خوفِ خدا تک نہیں ہے۔ اسی لیے انکے خطوط کے جواب میں نے ہمیشہ دلی بیزاری کے ساتھ دیے اور انکی فضول بحثوں سے تعرض کیے بغیر ہر خط اس انداز میں لکھتا رہا کہ اس کے بعد دوبارہ وہ مجھے خط نہ لکھیں۔ اس نوعیت کی تھی وہ مراسلت جو مولانا عبدالماجد صاحب

نے اس طرح صدق میں شائع فرمائی کہ گویا میرے اور صوفی صاحب کے درمیان کوئی مناظرہ ہوا تھا جسے اختتام مناظرہ کے بعد اب افادۂ عام کے لیے پبلک کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ فریقین میں سے صرف ایک فریق کے بھیج دینے پر یہ مراسلت شائع فرمائی گئی، دوسرے فریق سے پوچھ لینے کی ضرورت بھی نہ سمجھی گئی۔ خیر یہاں تک بھی بات رہتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن اب جو ان شاہ صاحب کی تحریریں مولانا شائع فرمارہے ہیں انہیں دیکھ کر تو میں حیران رہ گیا ہوں۔ کیا واقعی میں خدا سے جنگ کررہا ہوں کہ مجھے محاربِ خدا قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا حقیقت میں کوئی دعویٰ میں نے کیا ہے کہ مجھے "مدعی کاذب" کا لقب دیا جاسکے؟ کیا میں نے خود اپنی کوئی شریعت بنائی ہے یا کسی نئے دین کی بنا رکھ رہا ہوں کہ مجھ پر "تاسیس دین" کا الزام عائد کیا جائے اور میرے رفقاء کو "امرائے شریعتِ مودودی" کے خطاب سے مخاطب کیا جائے؟ کیا مولانا عبدالماجد صاحب ایمانداری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جس قدر بہتان وہ صدق میں شائع فرمارہے ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی ذرہ برابر حقیقت ہے؟ اگر ہے تو بیجا مروت سے کام نہ لیں بلکہ پورے ثبوت کے ساتھ ان الزامات کو پیش فرمائیں اور میری تکفیر کریں، کیونکہ ان میں سے ہر الزام ایسا ہے جس کی اگر کچھ بھی حقیقت ہو تو موجبِ کفر ہے۔ اور اگر ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ کوئی شخص جس کے دل میں کچھ بھی خوفِ خدا اور آخرت کی بازپرس کا خیال ہو، اس قسم کے بے بنیاد بہتان اپنی ذمہ داری پر شائع نہیں کرسکتا۔ اخبار نویسی کا یہ آئین ضرور ہے کہ اپنے صفحات مختلف خیالات کے اظہار کے لیے کھلے رکھے جائیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اخبار کے صفحات ہر جھوٹ اور تہمت اور ہر اس بیہودہ چیز کے لیے کھلے رہیں جو کوئی شخص کسی کے خلاف لکھ بھیجے۔ مولانا نے اگر اس آئین کا یہی مطلب سمجھا ہے تو عجب نہیں کہ ایک روز صدق کے صفحات میں لوگوں کے خلاف ماں بہن کی گالیاں بھی دیکھنے میں آجائیں۔

مولانا عبدالماجد صاحب اگر راستی اور عدل و تقویٰ کا طریقہ اختیار کرنا پسند فرماتے تو انکے لیے یہ راہ کھلی ہوئی تھی کہ جن امور میں وہ مجھے غلطی پر سمجھتے ہیں انکو صاف صاف بیان کر دیتے اور تعین کے ساتھ یہ بتاتے کہ میں نے کہاں کس مسئلے میں حق سے تجاوز یا دین کی راہِ راست سے انحراف کیا ہے۔ اس صورت میں میرے لیے بھی کچھ عرض کرنیکا موقع تھا۔ اگر انکے اعتراضات کسی غلط فہمی پر مبنی ہوتے تو میں اسے رفع کرتا، اگر انکے دلائل صحیح ہوتے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا، اور اگر میرے اور انکے درمیان اختلاف باقی رہتا تو اہلِ علم آسانی کے ساتھ رائے قائم کر سکتے تھے کہ کون راستی پر ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس سیدھے اور صاف راستہ کو اختیار کرنیکے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک طرف شاہ نذیر احمد صاحب کے خطوط شائع فرما رہے ہیں، اور دوسری طرف گمنام لوگوں کے خطوط سے اقتباسات نقل کر کے میرے خلاف عجیب عجیب بدگمانیاں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُنکے شاہ صاحب ایک ناخداترس اور غیر ذمہ دار آدمی ہیں۔ وہ آزادی کے ساتھ ہر قسم کے الزامات تراش سکتے ہیں، روز نت نئے بہتان گھڑ سکتے ہیں، میرے ایک ایک فقرے سے بیسیوں ایسے معنی نکال سکتے ہیں جو میرے خواب و خیال میں بھی نہ ہوں، اور اپنے تخیل سے بیشمار نظریات تصنیف کر کے میری طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ ایسے مردِ آزاد کے مقابلہ میں تو میرے لیے اعترافِ شکست کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں کہاں اسکے ساتھ روز ایک نئی وادی میں بھٹکتا پھروں۔ رہے وہ اقتباسات جو کسی "فاضل اور نامور خادمِ دین" اور کسی "صاحب علم" اور کسی "غالی مخالف" کے خطوط سے نقل فرمائے جاتے ہیں تو وہ سب کے سب دلائل سے خالی اور بے ثبوت دعووں پر مشتمل ہیں۔ اگر یہ فضلاء اور صاحبانِ علم اور نامور خادمانِ دین پردوں کے پیچھے سے نکل کر آتے اور صاف صاف بیان کرتے کہ میں کیا فتنہ برپا کر رہا ہوں اور میں نے کس "نتیجہ تدبر فی السیاسیات الحاضرہ و ثمرۂ تفکر تشریحات اروپا" کو کھینچ تان کر زبردستی قرآن پر منطبق کیا ہے تو میری اصلاح بھی ممکن تھی اور خود انکی اصلاح کا بھی امکان تھا۔ لیکن اب کہ وہ پردہ نشین ہیں اور انکے صرف دعاوی صدق میں نقل کیے جا رہے ہیں، میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ سب میرے خلاف شکوک پیدا کرنیکی ہوشیارانہ نفسیاتی تدبیریں ہیں، اور میرے لیے اُس سطح تک اترنا مشکل ہے جہاں ایسی تدبیروں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ